فہمیدہ ریاض کے اردو تراجم کا اجمالی جائزہ

ڈاکٹر حمیرا اشفاق[1]

Abstract:

"This article provides an overview of Fehmida Riaz's translations that will help to understand her art and thoughts from a new perspective. One of the main reasons for translating many resistance writers was the similarity of Fehmida Riaz herself and her circumstances. She was deported, not only that, but she was also about to assassinated in which she narrowly escaped. Fehmida Riaz also paved another way for direct expression through translation, which Get direct access to the reader. The selection and flow of Fehmida Riaz's translations reflects her deep political and social consciousness. Not only that, but her artistic and intellectual prowess is also evident. Contemporary literary Magazines continued to adorn."

فہمیدہ ریاض نے ۱۹۹۸ءمیں ایرانی شاعرہ فروغ فرخ زاد کی نظموں کے تراجم ’’کھلے دریچے سے‘‘ کے عنوان سے کیا۔ ساٹھ کی دہائی میں ایرانی ا دبیات میں نمایا ں جگہ بنانے والی شاعرہ فروغ فرخ زادسے فہمیدہ ریاض کا متاثر ہونا ایک فطری عمل تھاکیونکہ دونوں شاعرات کا طبعی رجحا ن معاشرتی قد غنوں سے بغاوت اور عورت کو اس کے پورے وجود کے ساتھ تسلیم کئے جانے کی جدو جہد کی طرف تھا۔ فہمیدہ ریاض خود لکھتی ہیں:

’’فروغ فرخ زاد کی نظموں کا ترجمہ میرے لئے ایک مسرت انگیز تخلیقی تجربہ تھا۔‘‘(۱)

اس ترجمہ کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں شامل بعض نظمیں ان ہی بحروں اور ردیف و قافیہ کے ساتھ ترجمہ کی گئی ہیں جو فروغ نے استعمال کیں ہیں اور چونکہ اردو میں فارسی تراکیب کا استعمال ممکن ہے اس لئے بغیر کسی تبدیلی کے انہیں استعمال کیا گیا ہے۔ بقول فہمیدہ ریاض :

’’اس طرح ترجمے میں اصل نظموں کی روح اور نغمگی جوں کی توں موجود ہے کہا جا سکتا ہے کہ یہ سرتاسر فروغ فرخ زاد ہی ہے جو اپنی نظموں کے اصل شعری جوہر کے ساتھ میری طرح دوسرے قارئین کو سحور کر دے گی۔‘‘(۲)

فروغ فرخ زاد کا تعارف کرواتے ہوئے فہمیدہ ریاض ایرانی شاعر بہروز جلالی کے ایک مضمون کی چند سطور کا اردو ترجمہ کرتی ہیں:

وہ عظیم تھی
وہ عصرِ حاضر کی شخصیت تھی
تمام کھلے آفاق سے اس کا واسطہ تھا
وہ آب و گِل کی راگنی کو خوب سمجھتی تھی(۲)

فروغ فرخ زاد ۱۹۳۵ءمیں تہران میں کرنل فرخزاد کے گھر پید اہوئیں۔ انہوں نے تیرہ چودہ سال کی عمر میں ہی شعر کہنا شروع کر دیاسولہ سال کی عمر میں انہیں اپنی سے دوگنی عمر کے شخص سے محبت ہوئی گھروالوں سے بغاوت کر کے انہوں نے شادی کی۔ لیکن ایک بیٹے کی پیدائش کے بعد بچے کی گہری جدائی کا صدمہ لئے اسے طلاق دے دی گئی۔ انہی تحقیر کا دُکھ اس کی ابتدائی مجموعے ’’امیر‘‘ میں جابجا دیکھا جا سکتا ہے۔

’’چھوٹا ہوا گھر‘‘ کا آغاز اس طرح کرتی ہیں:

جانتی ہوں کہ دور اک گھر سے
زندگی کی خوشی جا چکی ہے
رو رہا ہے وہاں کوئی بچہ

---

[1]صدرشعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

جس کی ماں چھوڑ کر جا چکی ہے(۴)

یارِ من شعر و دلدارِ من شعر
جا رہی ہوں کہ بس اس کو پالوں(۵)

فہمیدہ ریاض کی شاعری میں محبت اور لمس کا امتزاج اپنے پیرائے میں بے باک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے انہیں بھی فروغ فرخ زاد کی طرح باغی کہہ کر معاشرے نے ستم ڈھائے۔ فہمیدہ کی نظمیں عورت کی زبان سے ادا ہونے والے عشقیہ مضامین کی وجہ سے ذہنی پسماندگی کا شکار معاشرے کے لئے ایک نا قابلِ معافی جرم ٹھہرا لیکن وہ عورت اور مرد کے تعلق کو کلیّت میں قبول کرتی ہیں۔ عشقِ مجازی کی داعی ہیں۔ فروغ فرخ زاد کی ایک نظم ''عاشقانہ'' اور فہمیدہ ریاض کی ''زبانوں کا بوسہ'' ساتھ رکھ کر پڑھی جا ئیں تو ان کی ذہنی مماثلتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

اے تشنج لذتوں کے جسم میں
خط تیرے تن کے میرا ملبوس ہیں
جس طرح دھوتی ہے بارش جسمِ خاک
کر دیا آلودگی سے مجھ کو پاک(٦)

فروغ فرخ زاد کے بارے میں فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں کہ

''اس کی تحریر میں ہمیں بالخصوص مشرقی عورت کا چہرہ نظر آتا ہے کیونکہ وہ جس درد و کرب سے گزرنے کی روداد بیان کر تی ہے وہ مشرقی رسو م و قیود کی ہی پیدا وار ہے۔ فروغ انتہائی معصومانہ بے تابی کے ساتھ ان رسوم و قیود کو توڑتے ہوئے اپنے جنسی تجربات کو بیان کرتے ہوئے کہہ دیتی ہے کہ''گنہ کردم، گناہ پُرزلذت'' جو ایک طاقتو ر نعرہ بغاوت ہے جسے نسوانی اظہار کی صدیوں پر محیط جدو جہد میں سنگِ میل قرار دیا جا سکتا ہے۔''(٧)

فروغ فرخ زاد کی شاعری تانیثی حوالے بدرجہ اتم موجود ہیں لیکن یہ حساس شاعرہ اپنے داخل میں گم نہیں تھی بلکہ اس کے اندر سماجی مساوات، انصاف اور غربت سے پیدا ہونے والے مسائل کا احاطہ کرنے کا ہنر بھی موجود تھا۔ اس کی ایک نظم ''کوئی آرہا ہے''کو فہمیدہ سماجی انصاف اور مساوات پر لکھی جانے والی دنیا کی بہترین نظموں میں شمار کرتی ہیں۔

کوئی بارش میں سے، بارش کی جھَر جھَر میں سے
اور اطلسی پھولوں کی سرگوشیوں میں سے
توپ خانے کے آسمان میں سے
آتش بازی کی رات کو آرہا ہے(٨)

فہمیدہ ریاض نے ''کھلے دریچے سے'' میں شامل فروغ فرخ زادشاعرانہ روح اور مترتم دونوں کو بر قرار رکھتے ہوئے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اکثر نظموں میں بحور کا استعمال بھی جوں کا توں کیا گیا ہے۔ اسے اردو ادب کا اہم تخلیقی تراجم میں بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

فروغ فرخ زاد کی منتخب نظموں کے تراجم مجلہ ''آج'' کراچی میں بھی شائع ہوئے۔ مدیر اجمل کمال فہمیدہ ریاض کی ترجمے کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ ترجمے نہ صرف فہمیدہ ریاض کی ترجمے کے فن پر دسترس اور نامانوس افکار کے اردو زبان میں خوب صورت اظہار کی صلاحیت کی گواہی دیتے ہیں بلکہ، ان خصوصیات سے بھی زیادہ،طرزِ احساس کی اس یک جہتی کے بھی شاہد ہیں جس کے بغیر فروغ فرخ زاد کی نظموں کو اس قدر کامیابی اور اصل سے وفاداری کے ساتھ اردو میں منتقل کرنا نا ممکن ہوتا۔۔۔''(٩)

فہمیدہ ریاض کی بے چین انقلابی روح نے کلدیپ نیئر کی کتاب بھگت سنگھ اور جہدِ انقلاب کے عنوان سے اردو ترجمہ کیا۔ کلدیپ نیئر ہندوستان کے سینئر صحافی اور پاک انڈیا امن کے داعی تھے اس کتاب کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس میں نوجوان انقلابی بھگت سنگھ کے افکار کو غیر جانبداری سے پیش کیا گیاہے۔ کئی ایسے واقعات جو آزادی کے اس ہیرو کے بارے میں کلدیپ نیئر کی کتاب سے پہلے پیش نہیں کئے گئے۔ ان کوبھی منظر عام پر لایا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ قائد اعظم محمد علی جناح کی بھگت سنگھ کے دفاع میں کی گئی تقریر جو انہوں نے اس وقت کی

لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش کی تھی، اس کا مکمل متن بھی شامل کیا گیا ہے۔

اس کے پیش لفظ میں آزادی کے اس ہیرو کو جس مقام پر پھانسی دی گئی اس کے بارے میں موجود روایتوں کو قلم بند کرتے ہوئے مصنف نے کتاب کو تحریرکرنے کے محرکات پر بھی روشنی ڈالی۔ کلدیپ نیئر نے بھگت سنگھ پر لگنے والے دہشت گردی کے الزام کو بھی مدلل انداز میں رد کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

ایک انقلابی کے لئے ”قتل“ کا کیا مطلب تھا؟ خود بھگت سنگھ کے الفاظ ہیں۔”ہم انسانی زندگی کا بہت احترام کرتے ہیں۔ انسان کی زندگی مقدس ہے۔۔ کسی کو گھائل کرنے پر ہم سو بار اس کو ترجیح دیں گے کہ انسانیت کی خدمت کرتے ہوئے خود اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کردیں۔ ان کی نیت انتقام کی نہیں تھی۔ وہ ”بدلہ “ نہیں لینا چاہتے تھے۔ [۱۰]

کلدیپ نیئر کی کتاب کا ترجمہ کرنے کا اصل محرک فہمیدہ ریاض کا ”بغاوت سے پیار“ ہے۔ وہ ہر اس شخص سے محبت کرتی ہے جو معاشرے سے ٹکرانے کی طاقت رکھتا ہو۔ بھگت سنگھ بھی انہی کرداروں میں سے ایک ہے جس نے فہمیدہ ریاض کی توجہ فوراً اپنی جانب مبذول کروالی ہو گی۔

”یہ خانہ آب و گِل “ کے عنوان سے فہمیدہ ریاض نے غزلیات رومی کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔ان غزلوں کا انتخاب ”دیوانِ جامع شمس تبریزی“ کے اس نسخے سے کیا گیا ہے۔ جسے استاد بدیع الزماں فروزاں فر نے، تصحیح و درستگی ءاملاءکے ساتھ مرتب کیا۔ دیوان میں فارسی، عربی، اشعار اور یونانی کے کل بیالیس ہزاور (۴۲۰۰۰) اشعار ہیں، جن میں پینتیس سو (۳۵۰۰) غزلیں، قصیدے، قطعے، ترجیعات اور ۱۹۹۵ رباعیات شامل ہیں، اسے ادارہ انتشارات فردوس نے تہران سے شائع کیا ہے۔[۱۱]

”مثنوی مولانا روم“ کے علاوہ رومی نے اپنے مرشد کے نام کرتے ہوءغزلیات لکھیں۔ رومی تیرھویں صدی میں فارسی شاعر تھا۔ جس کے افکار نے قونیہ کی سرحدوں سے نکل کر پوری دنیا کو متاثر کیا۔ رومیکے نزدیک موسیقی، رقص اور شاعری خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔

فہمیدہ ریاض کا ایک انٹرویو بعنوان "Why Rumi, Speaks to me" میں وہ رومی سے اپنے لگاؤکی وجوہات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ انہیں رومی کے فلسفے میں ایسی چیزیں بھی نظر آتی ہیں جس کو محض اسلامی آئیڈیالوجی تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔

فہمیدہ ریاض کا خیال ہے کہ رومی، شمس تبریز کی تلاش میں ارد گرد گھومتے رہے۔ کئی دشوار سفر کئے۔ ممکن ہے کہ ان کا ہندوستانی تہذیب سے واسطہ پڑا ہو۔ اس بات کی دلیل فہمیدہ ریاض خود کلامِ رومی سے دیتی ہیں کہ ان کے کلام میں ہندو مت کے اثرات بھی ملتے ہیں۔[۱۲]

رومی کے بین المذاہب ہم آہنگی کا درس دیتے ہوئے اشعار کی طرف بھی فہمیدہ کی توجہ جاتی ہے۔ دوسری چیز جو فہمیدہ کو متاثر کرتی ہے ایک ”محب“ کی تڑپ ”محبوب کے لئے“ اور محبت کو بطور مضمون باندھے جانے پر بھی وہ رومی کو بے حد سراہتی ہیں۔

اے عشق اوروں نے تجھے نام و لقب کیا کیا دیئے
میں نام دوں گ دوسرا یعنی کہ دردِ لادوا
خاموش کہ خاموشی ہے شہد سے بھی بہتر
اب پھونک عبارت کو اور چھوڑاشارت کو
شمس الحق تبریزی تو روح کا مشرق ہے
تابش سے تیری پہنچا ہر شمس حرارت کو[۱۳]

بقول فہمیدہ ریاض تصوف تاریخی طور پر ایک تحریک۔ ایک فلسفہ ہے جو ابھرا، جو ہمارے کلچر کا ایک حصہ ہے۔ میں نے جب رومی کو پڑھا اس نے میری immaginationکو کیپچر (Capture)کر لیا۔ میرے اندر روشنی رومی کی وجہ سے ہے۔[۱۴]

شیخ ایاز سندھی زبان کے ایک عظیم شاعر ہیں جن کی شاعری کا اردو، پنجابی اور پاکستان کی بعض دیگر زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ اردو ترجمہ فہمیدہ ریاض نے کیا ہے۔ جو ”حلقہ میری زنجیر کا“ کے عنوان سے ۱۹۷۹ءمیں شائع ہوا۔ اس سے دو سال قبل ۱۹۷۷ءمیں احمد سلیم کا پنجابی

ترجمہ ''جو بیجل نے آکھیا'' کے عنوان سے شائع ہوچکا تھا۔ فہمیدہ ریاض نے ان کے پانچ سندھی مجموعوں سے منتخب شاعری کا ترجمہ کیا ہے۔ فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں کہ:

''ایاز کے کلام کے اردو ترجمہ کی یہ اشاعت اردو کے قاری سے ایا ز کا پہلا تعارف ہے۔ ان کے نام سے تو سب واقف ہیں لیکن کلام سے قطعی انجان ہیں ایازنے کیا کہا ہے؟ اس کی سوچ کیا ہے؟ اس کے کلام کے شعر کا کیا معیار ہے ؟ یہ سارے سوال ابھی تک تشنہ ءجواب رہے ہیں جن کے بارے میں لوگ سُنی سنائی باتوں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق اندازے لگائے بیٹھے ہیں۔۔۔''(۱۵)

زیرِ نظر کتاب ان سارے سوالات کا ایک حد تک جامع جواب ہے۔ کتاب کے مرتب فہیم شناس کاظمی کا کہنا ہے کہ :

''حلقہ میری زنجیر کا'' شیخ ایاز کی شاعری کا منظوم ترجمہ ہے۔ یہ کارنامہ فہمیدہ ریاض نے پوری فنی کا ملیت کے ساتھ انجام دیا ہے۔ شیخ ایاز کی شاعری کا ترجمہ نہایت مشکل ہے اور وہ اس لئے کہ ان کی زیادہ تر شاعری لوک روایت سے جُڑی ہوئی ہے۔ ان کے استعارات، تلمیحات اور تراکیب اپنے اندر ایک تاریخی تسلسل کو چھپائے ہوئے ہیں۔۔۔ اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ شاعری کا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ مشکل ہی نہیں نا ممکن ہے مگر فہمیدہ ریاض، لائقِ صد تحسین ہیں کہ وہ اس پُل صراط سے بخیر و خوبی گزر آئی ہیں۔ ''(۱٦)

فہمیدہ ریاض نے شیخ ایاز کے گیتوں اور وایوں کا ترجمہ گیتوں اور وایوں میں دو ہوں کا دو ہوں میں ابیات کا ترجمہ دابیات میں، غزلوں کا غزلوں میں، نظموں کا نظموں میں اور منظوم ڈرامے کا ترجمہ منظوم ڈرامے کی شکل میں کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو غالباً یہ ہے کہ اپنے شعری اسلوب میں یہ اصناف ایک دوسری سے کافی قریب ہیں لیکن اس کی دوسری اور بڑی وجہ یہ ہے کہ فہمیدہ خود ایک مستند، معتبر اور قادر الکلام شاعرہ ہیں۔ پھر فہمیدہ کو سندھی زبان کی ادبیات پر مکمل دسترس حاصل ہے کہ وہ حیدرآباد کے اسی ماحول میں پلی بڑھی ہیں۔ انہوں نے منظوم ترجمے کے ساتھ ساتھ تمام اصناف، گیت، وائی، دوہے، بیت، غزل اور منظوم ڈرامے کا واضح الفاظ میں تعارف کروایا اور سندھی اور اردو اصناف کا فرق دکھانے کی بھر پور کوشش کی ہے۔

وائی کا تعارف کراتے ہوئے فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں:

''وائی کے معنی ''بات'' بھی ہیں اور پکار بھی۔۔ اس کے مصرعوں میں ایک داخلی ربط موجود رہتا ہے۔ غزل کے اشعار کی طرح اس کے مصرعوں میں الگ الگ مضامین بھی باندھے جا سکتے ہیں۔ اس میں مطلع اور مقطع کا التزام بھی رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن وائی کی تکنیک غزل سے مختلف ہوتی ہے۔ اس میں ایک مصرعہ بار بار دہرایا جاتا ہے جو فضاءکی ہم آہنگی اور کیفیت کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔''(۱۷)

سندھی بیت کی وضاحت کرتے ہوئے فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں:

''بیت کا لفظ، سندھی شاعری میں عربی اور فارسی سے مستعار ہے لیکن سندھی شعرا نے ادبیات کو دو مصرعوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ چار پانچ یا اس سے زیادہ مصرعے بھی لکھے ہیں۔ سندھی بیت میں قافیے کا استعمال سو رٹھے کی طرح ہوتا ہے۔ سورٹھا اس دوہے کو کہتے ہیں جس میں قافیہ مصرعوں کے درمیان لایا جائے۔ بیت میں قافیے کے اس التزام سے نہ صرف زورِ بیان پیدا ہوتا ہے بلکہ لہجے میں غنایت بھی آجاتی ہے۔ وائی کی طرح شیخ ایاز نے بیت کو بھی نئی زندگی دی ہے۔۔انہوں نے اس صنف کو کلاسیکی موضوعات سے نکال کرعہدِ جدید کے افکار کا آئینہ بنا دیا۔''(۱۸)

شیخ ایاز کے منظوم ڈرامے '' دو دو سومرو کی موت'' کا تعارف کراتے ہوئے فہمیدہ ریاض اس ڈرامے کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''دو دو سومروسندھ کا حاکم تھا اور چنیسر اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ چنیسر خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے علاؤالدین خلجی کے ساتھ مل کر سازش کی۔۔جنگ سے پہلے خلجی نے شرط رکھی کہ اگر دو دو نے اپنی بہن بھاگی کو اس کے نکاح میں دیا اورچنیسر کو اپنا جانشین بنایا تو وہ حملہ نہیں کرے گا۔ دودو نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور لڑتا ہوا مارا گیا۔ ''(۱۹)

فہمیدہ ریاض کے رواں دواں تر جمے کی یہی خوبی ہے کہ اس پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

ترجمے کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ وہ کسی بھی زبان سے کیا جائے، وہ ترجمہ ہی لگتاہے۔ لیکن فہمیدہ کے معاملے میں یہ مسئلہ نہیں ہے۔اس ضمن میں سندھ میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ شیخ ایاز نے فہمیدہ کو اپنی شاعری کے اردو ترجمے کا کام سونپا تو ان کی شاعری کا پنجابی ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ جس کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ یہ ترجمہ اصل شاعری سے بے حد قریب ہے۔ شیخ ایاز نے فہمیدہ سے کہا کہ وہ اردو ترجمہ بھی ایسا ہی چاہتے ہیں۔ فہمیدہ نے کوئی دعویٰ تو نہ کیا لیکن ان کا ترجمہ بھی اصل سے اتنا ہی قریب ہے جتنا احمد سلیم کا پنجابی ترجمہ یہ فہمیدہ کی سندھ دھرتی سے محبت تھی کہ وہ اس آزمائش میں پوری اتریں۔

فہمیدہ ریاض نے بلوچستان کی اہم ترین شاعرہ رابعہ خضداری کی غزلیات کو بھی نثری ترجمے کی صورت دی۔بلو چستان میں خواتین کا ادب“ کے مو ضوع پر شاہ محمد مری کے تعاون سے ۲۰۰۴ءمیں ایک سیمینار کروایا۔جس میں خود بھی ایک مقالہ بعنوان”گوہر کی اونٹنیاں“ پیش کیا۔ایک پورا سیشن رابعہ پر رکھا۔اور اس عظیم شاعرہ کو ان الفاظ میں سراہتی ہیں۔

ذرا غور کیجیے کہ فارسی ادب جس نے عالمی ادب کے شاہکاروں کو پیدا کیا،جس میں رو می، حافظ، سعدی، عطار، فردوسی اور نظیری پر مغرب کی درس گاہوں میں تحقیق کا سلسلہ برابر جاری ہے۔اور جس کا شمار دنیا کے عظیم ترین ادب میں ہو تا ہے۔اس کا بنیادی پتھر رکھنے والوں میں ایک ایسی خاتون بھی ایستادہ ہے جو ہمارے اپنے خضدار میں موجود تھی۔اور یہ کار نامہ اس نے بلو چستان کی سر زمین پر سر انجام دیا۔رابعہ خضداری کی ازسرِ نو دریافت صرف بلو چستان کے لیے نہیں عالمی تحریکِ نسواں کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔اس کے اشعار میں پانی آذر سے نقش بنانا سیکھتا ہے اور ہو ا مانی سے رنگوں کا جادو سیکھتی ہے۔(۲۰)

اسی سیمینار میں شریک خواتین کو دیا گیا پیغام پورے پاکستان کی عورتوں کی ہمت بڑھانے کا اہم اور پر اثر انداز لیے ہو ئے تھا۔فہمیدہ ریاض بلوچ اہل قلم خواتین سے مخاطب ہو تے ہو ئے کہتی ہیں کہ

> ”سو ہماری جانب سے اور سنگلاخ پہاڑی سلسلوں کلکلاتے جھرنوں،مہکتے گلابوں،انگور کی بیلوں اور رسیلے پھلوں کے اس مسکن کے باسیوں اور ان کے نرم و نازک اور مضبوط و قد آور خواتین اہلِ قلم کو محبت بھرا سلام اور یہ پیغام!آپ دور کی مسافر ہیں،یہ سفر کی پہلی منزل ہے۔ابھی تو آپ کوبُکر اور نوبیل ادبی انعامات حاصل کرنے ہیں۔اگر کیرال کی اُون دھتی رائے یہ اعزاز حاصل کر سکتی ہے اور کملا داس کو نوبیل انعام کے لیے نامزد کیا جا سکتا ہے تو بلو چستان کے لیے بھی ایسا ہو نا نا ممکن نہیں۔وہ دن ضرور آئے گا اور اسے لا نے والی آپ خود ہیں۔“(۲۱)

رابعہ کے اشعار کا نتہائی روانی سے فہمیدہ ریاض ترجمہ کرتی ہیں۔نمو نہ ملاحظہ ہو

> کہتے ہیں کہ حضرت ایوبؑ کے سر پر آسمان سے مکڑیاں اتریں اور آپ کا سر سنہری ہو گیا۔۔۔
> اگر صبر کی وجہ سے آپ ؑ پر مکڑیاں اتری تو مناسب ہے کہ مجھ پر ایک سنہری مکھی اترے۔۔۔(۲۲)

فہمیدہ ریا ض رابعہ خضداری کی دکھ بھری داستانِ عشق پر تبصرہ کرتے ہو ئے لکھتی ہیں کہ”بلا شک رابعہ کا سب سے بڑا جرم عورت ہو نا ہی تھا۔ان کے بھائی حارث اگر کسی ترک کنیز پر عاشق ہو جاتے تو آسانی سے اسے اپنے حرم میں دا خل کر لیتے اور ان کی سلامتی کو آنچ بھی نہ آتی۔“(۲۳)

فہمیدہ ریاض نے اس کے علاوہ بھی عالمی ادب سے بھی کئی اہم شہہ پاروں کواردو کے قالب میں ڈھالا ہے جن میں سے نجیب محفوظ کا ”شادیانے“ بھی خا ص اہمیت کا حامل ہے۔

نجیب محفوظ نے بیسویں صدی میں استعمارات،اور عرب معاشروں کی اندرونی کش مکش سے،ایک ہاری جانے والی جنگ سے پیدا ہونے والی قلبِ عرب کی تیرگی کو کاغذ پر اُتار دیا ہے۔ نجیب کی ناول "اولاد حراتینہ" (Children of Geblawi) پر عرب دنیا میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ماسوا لبنان کے، جہاں یہ ناول میں شائع ہوئی تھی، اسے تمام عرب ممالک میں ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ یہ ایک دل چسپ اور پُرلطف ناول تھا،جس میں خدا اور سامی پیغمبروں کو عام انسانوں کے روپ پیش کیا گیا تھا۔اس ناول پر شدید رد عمل ہوا اور نجیب محفوظ کی پُر زور مذمت کی گئی۔

نجیب محفوظ کے ناول کا ترجمہ کرنے کا ایک بنیادی وجہ خود فہمیدہ ریاض کے اور ان کے حالات اور مو حول میں یکسانیت تھی۔کیو نکہ نجیب محفوظ کی تحریرو ں کی پا داش میں انہیں اصل معا نی اور مفاہیم کو سمجھنے سے قاصر ذہنو ں نے ملک بدر کر دیا،صرف یہی نہیں بلکہ ان پر قاتلا نہ حملہ بھی ہو ا جس میں وہ بال بال بچے۔فہمیدہ ریا ض نے بھی جب اظہار کے براہ راست اظہار کا ایک اور راستہ تراجم کے ذریعے ہموار کیا جس سے ان کے ذہن کو قاری تک پہنچنے کا براہ راست را ستہ ملے۔ فہمیدہ ریا ض کے تراجم کا انتخاب اور ان کی روانی ان کے گہرے سیاسی اور سماجی شعور کی عکاسی کرتے ہیں۔صرف یہی نہیں بلکہ ان کی فنی اور فکری بلندی کے غما ض بھی ہیں۔ان کے تراجم کی کئی مثالیں ان کے معاصر رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہے جن میں مجلہ "آج" اور " دنیا زاد" قابل ذکر ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فروغ فرخ زاد، کھلے دریچے سےمترجم : فہمیدہ ریاض، مجلہ ’’آج‘‘ کراچی، خزاں، ۱۹۹۶
۲۔ ایضاً،ص۲۲
۳۔ ایضاً، ص۱۸
۴۔ ایضاً، ص ۱۸
۵۔ ایضاً، ص ۱۸
۶۔ ایضاً، ص ۱۸
۷۔ ’’کھلے دریچے سے‘‘ مجلہ ’’آج‘‘ کراچی: خزاں، ۱۹۹۶ء،ص۶
۸۔ کلدیپ نیئر، بھگت سنگھ اور جہدِ انقلاب، ص ’’د‘‘ترجمہ فہمیدہ ریاض، کراچی، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس
۹۔ ’’یہ خانہ آب و گِل ‘‘ ص ۴
۱۰۔ فہمیدہ ریاض کا ایک ا نٹرویو بعنوا ن Why Rumi, Speaks to me
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ ایضاً
۱۳۔ فہمیدہ ریاض، سندھ کا بیجل، مشمولہ ’’حلقہ میری زنجیر کا‘‘کلام شیخ ایاز، محکمہ ثقافت و سیاحت حکومت سندھ
کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۲۱
۱۴۔ فہیم شناس کاظمی، سندھ کا قومی شاعر۔ شیخ ایاز، ایضاً، ص ۹
۱۵۔ حلقہ مری زنجیر کا، کلام شیخ ایاز، ص۸۲
۱۶۔ ایضاًص ۸۸۱
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ فہمیدہ ریاض،۔بلوچستان میں خواتین کا ادب (وعدہ کتاب گھر)ص
۱۹۔ ایضاً
۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ نجیب محفوظ ترجمہ فہمیدہ ریاض شادیانے (شہزاد پرنٹرز)ص۹
۲۳۔ زبان فارسی کی اوّلین شاعرہ جس کا ذکر شعراء کے تذکرہ کی کتابوں میں آتا ہے۔ رابعہ بنت کعب قزداری تھی۔ وہ فارسی کے مشہور استاد شاعر رودکی کی ہم عصر تھی۔ وہ جو تھی صدی کے صدی کے پہلے نصف میں بلخ میں رہتی تھی۔ اس کا والد ایک عالم و فاضل شخص تھا اور اسے ہر جگہ احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ خاندان سامانیوں کے زمانے میں سیستان میں رہائش پذیر تھا۔ وہ قندھار اور بلخ پر حکمران رہا۔ رابعہ کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہو سکی البتہ اس کے کچھ حالاتِ زندگی کا پتہ چل گیا ہے۔
رابعہ بلخی، مشمولہ پردہ نشینان سخن کوی، مؤلف ماگہ رحمانی، موسہ انتشارات الا ہربقول آقائے ایرج انشار، ۲، (بشتنی میرضی شاغلی بینوا، ص ۵۴، ۳) مشاہر نسواں ص۱۲
۲۴۔ جمال عبدالناصر، ٹیٹو،نہرواور سویکارنو کی طرح نو آزاد قوموں کے ایک ایسے ہیرو بن کر ابھرے تھے جنھوں نے طاقتور سامراجی مغرب کی کاسہ لیسی کو مسترد کر دیا تھالیکن اس تصور کا ایک دوسرااندوہ ناک رخ بھی تھا۔ مصر کا یہ سامراج مخالف انقلاب نہ تو ملک میں سوشلزم لا سکا تھا اور نہ سانس لینے کی ازادی۔اس دور میں نجیب محفوظ کیسا محسوس کرتے تھے؟"ناصر کے دور میں انسان دیواروں سے بھی خوف کھاتا تھاہر شخص خوف زدہ تھا، ہم کیفے میں بیٹھ کر بات کرنے سے خوف کھاتے تھےہم گھر پر بات چیت کرنے سے ڈرتے تھے۔میں انقلاب سے پہلے کے حالات کے بارے میں اپنے بچوں سے بات کرنے سے ڈرتا تھا،مبادا وہ اس کا ذکر اسکول میں کریں جس کا غلط مطلب اخذ کر لیا جائے---"
نجیب محفوظ ترجمہ فہمیدہ ریاض شادیانے (شہزاد پرنٹرز)